نام کتاب : **چند قدم، اقبال کے ساتھ**
مصنف : *محمد ظہیر الدین احمد*
ناشر : اقبال اکیڈیمی حیدر آباد دکن
صفحات : ۱۳۲
قیمت : ۱۵۰ روپے
تبصرہ نگار : ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی٭

حیدر آباد (دکن) میں ابتدا ہی سے علامہ اقبال کے مداحوں اور اقبال شناسوں کا ایک حلقہ موجود رہا ہے۔پہلی بار وہ مارچ ۱۹۱۰ء میں حیدر آباد دکن گئے تھے اور سر اکبر حیدری کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔ حیدری صاحب ریاست حیدر آباد میں اونچے عہدے پر فائز تھے۔انھوں نے اقبال کے دورانِ قیام ہر طرح سے ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھا۔علامہ، سر اکبر اور ان کی بیگم کے اخلاق سے بے حد متأثر ہوئے۔**بانگِ درا** کی قدرے طویل نظم "گورستان شاہی" اقبال کے اسی سفر حیدر آباد کی یادگار ہے۔ گو **بانگ درا** میں اس نظم کے شانِ نزول کی صراحت موجود نہیں، مگر پہلے پہل جب یہ نظم **مخزن** لاہور کے شمارہ جون ۱۹۱۰ء میں چھپی تو اس کے تمہیدی نوٹ میں اقبال نے حسبِ ذیل الفاظ کے ساتھ نظم کو سر اکبر اور ان کی بیگم سے منسوب کیا:"اس کو میں اپنے سفر حیدر آباد کی یادگار میں مسٹر حیدری اور ان کی لئیق بیگم مسز حیدری کے نام نامی سے منسوب کرتا ہوں،جنھوں نے میری مہمان نوازی اور میرے قیام حیدر آباد کو دلچسپ ترین بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔"[۱]

کچھ عرصے کے بعد حیدر آباد ہائی کورٹ میں جج کا عہدہ خالی ہوا۔بعض لوگوں نے اقبال کو اس منصب پر تقرر کی امید دلائی۔خود اقبال بھی ایک حد تک یہ عہدہ قبول کرنے پر آمادہ ہوئے،مگر یہ بیل

٭ پروفیسر، شعبۂ اقبالیات، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور (rdhashmi@yahoo.com)

۱- لاہور، **مخزن**، جون ۱۹۱۰ء، ص ۵۸

منڈھے نہ چڑھ سکی۔ پھر حیدری صاحب نے علامہ کو جامعہ عثمانیہ میں قانون کی پروفیسری کی پیش کش کی، مگر اس میں بھی ایک ابہام تھا کہ ابھی تک جامعہ عثمانیہ کا قیام فقط تجویز کے مرحلے میں تھا۔

علامہ اقبال اپنی شاعری اور کلام کے حوالے سے حیدرآباد کے خواص وعوام میں متعارف اور مقبول تھے۔ دکن کے ایک بزرگ مولوی عبدالرزاق راشد نے اقبال کا اردو کلام علامہ کی اجازت کے بغیر **کلیات اقبال** کے نام سے شائع کر دیا۔(۲) اس سے دکن میں علامہ اقبال کی مقبولیت اور بڑھ گئی۔

جنوری ۱۹۲۹ء میں علامہ نے پھر حیدرآباد کا سفر کیا اور جامعہ عثمانیہ میں Reconstruction کے پہلے تین خطبے پیش کیے (جو اس سے پہلے وہ مدراس میں بھی پڑھ چکے تھے۔) سر اکبر حیدری اور اقبال کے روابط(۳) نیز اقبال اور حیدرآباد (دکن) کے موضوع پر کئی پہلوؤں سے بات کی جا سکتی ہے، مگر اس تفصیل سے قطع نظر کرتے ہوئے اتنا بتانا کافی ہوگا کہ دکن میں اقبال شناسی کی روایت اقبال کی زندگی ہی میں جڑ پکڑ چکی تھی۔ ریاست میں علامہ اقبال کے بہت سے ہم درد، بہی خواہ اور قدردان موجود تھے۔ اقبال کے سفارشی خط کے ذریعے کئی لوگوں کو حیدرآباد میں اعلیٰ ملازمتیں ملیں اور بعض کے وظائف جاری ہوئے۔

اقبال کی وفات پر حیدرآباد میں کثیر تعداد میں تعزیتی جلسے منعقد ہوئے۔ اخبارات ورسائل نے خصوصی نمبر شائع کیے۔ بہادر یار جنگ اور پروفیسر غلام دستگیر جیسے لوگوں نے اپنی تقریروں، لیکچروں اور دروس اقبال کے ذریعے اقبال کے فکر اور پیغام کی شمع کو روشن رکھا۔(۴)

اس پس منظر میں سقوطِ حیدرآباد کے کئی سال بعد "مجلس تعمیر ملت" اور بعد ازاں "اقبال اکیڈیمی" کا قیام عمل میں آیا۔ یہ حیدرآباد کے بعض دردمند مسلمانوں کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ تھا، جن میں

۲- مولوی عبدالرزاق راشد کے حالات کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر معین الدین عقیل: "اولین کلیات اقبال کے مرتب، محمد عبدالرزاق راشد"، **ارمغان رفیع الدین ہاشمی** (مرتب: ڈاکٹر خالد ندیم) راولپنڈی، الفتح پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء۔ اسی مجموعے میں شامل ڈاکٹر محمد علی اثر کے مضمون: "حیدرآباد اور اوّلیات اقبال" میں **کلیات اقبال** کی اشاعت کی تفصیل بھی ملتی ہے۔

۳- روابط کے لیے دیکھیے: رفیع الدین ہاشمی، "علامہ اقبال اور سر اکبر حیدری"، لاہور، **اقبالیات، تفہیم و تجزیہ**، اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۱۰ء

۴- تفصیل کے لیے دیکھیے: نظر حیدرآبادی، **اقبال اور حیدرآباد**، نیز شکیل احمد اقبال اور حیدرآباد، حیدرآباد دکن، الکتاب، ۱۹۸۶ء

سید خلیل اللہ حسینی بھی شامل تھے جو اسلامیانِ دکن کے ملی اور اجتماعی کاموں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ ایک اعتبار سے انھیں اقبال اکیڈیمی کا بانی قرار دیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے جن نوجوانوں کو ترویج وفروغِ اقبالیات کے لیے جمع کیا، ان میں محمد ظہیر الدین احمد بہت نمایاں اور پیش پیش تھے۔

اقبال اکیڈیمی اِس وقت بھارت میں اقبالیات کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ اس کی موجودہ ہیئت و صورت کسی سرکاری اعانت یا مدد کے بغیر، دکن کے مسلمانوں خصوصاً علامہ اقبال کے مداحوں کی تقریباً نصف صدی کی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ اس کے کتب خانے میں پورے بھارت میں اقبالیات کا سب سے بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ اکیڈیمی ایک شش ماہی مجلہ بھی **اقبال ریویو** کے نام سے شائع کرتی ہے۔

جناب محمد ظہیر الدین احمد ان دنوں اکیڈیمی کے صدر ہیں۔ وہ پیشے کے اعتبار سے انجینئر ہیں۔ کئی سال پہلے وظیفہ یاب ہوگئے تھے۔ حال ہی میں ان کے مقالات کا زیرِ نظر مجموعہ منظر عام پر آیا ہے۔ چودہ مضامین پر مشتمل اس کتاب کے دیباچے میں ظہیر صاحب لکھتے ہیں: ''میرا کوئی ایسا ارادہ نہیں تھا کہ میرے مضامین پر مشتمل یہ کتاب شائع ہو کیوں کہ اقبالیات اور اس کے مختلف شعبوں پر ہزاروں کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور ہو رہی ہیں، لیکن اقبالیات اور اقبال اکیڈیمی سے برسوں کی وابستگی کی وجہ سے بعض مخلص احباب اور بزرگوں کی توجہ دہانی پر اس کتاب کو شائع کرنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔'' (۵)

ظہیر صاحب کے یہ مضامین تقریباً نصف صدی کے دورانیے میں وقتاً فوقتاً **اقبال ریویو** میں شائع ہوتے رہے۔ گو ان میں سے بعض کے موضوعات براہِ راست اقبالیات سے متعلق محسوس نہیں ہوتے مثلاً حُبِّ رسولؐ کے تقاضے'' یا ''عبدہٗ ورسولہ'' یا ''سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیؐ سے مجھے'' یا ''عقیدۂ ختم نبوت کی تہذیبی قدر'' وغیرہ، مگر ایسے مضامین میں فکرِ اقبال کی ایک زیریں لہر موجود ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ لکھنے والے کا ذہن فکرِ اقبال سے مکمل طور پر ہم آہنگ ہے۔ چناں چہ اسی لیے ظہیر الدین صاحب کا رہوارِ قلم چلتے چلتے اقبال کی شاعری کی طرف مڑ جاتا ہے۔ تقریباً نصف یا نصف سے قدرے زیادہ مضامین کا موضوع اقبال، ان کی فکر اور ان کی شاعری کا مطالعہ ہے۔ چند عنوانات دیکھیے: اقبال کا مطالعہ کیوں؟، فکر اقبال کے چند امتیازی پہلو، عصری ہندستان میں اقبال کی معنویت، ''ذوق وشوق'' ایک مطالعہ وغیرہ۔ ان

۵- محمد ظہیر الدین احمد، **چند قدم اقبال کے ساتھ**، حیدرآباد دکن، اقبال اکیڈیمی، ۲۰۱۱ء، ص ۴

مضامین کا مطالعہ کرتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ ظہیر صاحب نے اقبال کے شعر و فکر کا ڈوب کر مطالعہ کیا ہے۔ وہ اپنی ایک سوچ رکھتے ہیں اور اس سوچ کی تشکیل میں قرآنِ حکیم کے مطالعے اور رسول اکرمؐ کے اسوۂ حسنہ کے گہرے اثرات موجود ہیں۔ تقریباً تمام مضامین میں انھوں نے امتِ مسلمہ کے موجودہ منظر نامے کو سامنے رکھ کر بات کی ہے، مثلاً: ''اس سے زیادہ محرومی و بد نصیبی کی بات کیا ہو سکتی ہے کہ درود و سلام کی بات بر سرِ عام نزاع کی وجہ بن جائے۔ جزوی و فروعی مسائل میں بحث و جدال اتنا بڑھ جائے کہ اسوۂ حسنہ ہی نظروں سے اوجھل ہو جائے''۔(۶)

مزید لکھتے ہیں:

> افراط و تفریط کی کچھ کیفیات ہماری اُمّت کے اندر بھی کہیں درود و سلام کے نام پر ہوتی ہیں اور کبھی سنت اور اتباع کے نام پر، نہ اتباع بلا محبت پسندیدہ، نہ محبت بلا اتباع مستحسن ہے۔ بات دراصل یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہم نے تو رسول اللہ ﷺ کے مقام و منصب کو سمجھا، نہ آپؐ کی دعوت کے منشاو مقصد کو جانا اور نہ آپ کی امت کے ایک فرد کی حیثیت سے اپنے آپ کو پہچانا۔ اس منصب اور اس کی ذمہ داری کا جب احساس ہوتا ہے تو بڑے سے بڑے اہلِ دل بھی کانپ اٹھتے ہیں۔(۷)

''امت مسلمہ'' علامہ کی شاعری کا سب سے بڑا موضوع رہا ہے۔ محمد ظہیر الدین احمد، عالمِ اسلام کی موجودہ صورتِ حال پر بہت مضطرب ہیں، جہاں تہاں پریشان کن حالات کی طرف اشارے کرتے ہیں: ''بیشتر [اسلامی] ممالک نہ تو اپنے حقیقی داخلی استحکام پر متوجہ ہیں اور نہ اپنے وسائل کی قوت کو حق کی نصرت کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں بلکہ ان نام نہاد مسلم ممالک میں زور اس بات پر ہے کہ اگر اسلام کے نام پر اقتدار مل جائے تو کسی طرح ذاتی اقتدار کے استحکام کی کوشش کریں''۔(۸)

ظہیر صاحب نے یہ بات ان مسلم ممالک کے بارے میں کہی ہے جہاں نام نہاد جمہوری نظام قائم ہے، لیکن جو مسلم ملک بادشاہوں، امیروں اور خلیفوں کے اقتدار میں چل رہے ہیں، وہاں کسی طرح کی تبدیلی آسان نہیں ہے۔ ظہیر صاحب عصرِ حاضر کی استعماری سیاست کا گہرا ادراک رکھتے ہیں، ایک جگہ لکھتے

۶- نفسِ مرجع، ص ۷

۷- نفسِ مرجع، ص ۸

۸- نفسِ مرجع، ص ۳۵

ہیں: ”مغربی حکومتوں کی کوشش ہوتی ہے کہ امت کے اندر اختلافات پیدا کیے جائیں اور انھیں ہوا دی جائے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے وہ ایسے افراد کو چن لیتی ہیں جو ان کے مقاصد کی تکمیل میں مدد دے سکیں یا ان کا آلۂ کار بن سکیں۔ ایسے افراد کو وہ انعامات اور اعزازات سے نوازتے ہیں۔“(۹)

زیر نظر کتاب کے مطالعے سے محسوس ہوتا ہے کہ اقبال کو سمجھنے سمجھانے کے لیے جن علوم کا مناسب حد تک مطالعہ ضروری ہے اور فکر اقبال کے تجزیہ و تحلیل کے لیے جس انتقادی صلاحیت، فہم و شعور اور چشم بینا کی ضرورت ہے، وہ محمد ظہیر الدین احمد کے ہاں بہ خوبی موجود ہیں۔ ان کا یہ مجموعہ، تنقید اقبال کی منتخب کتابوں میں شمار ہوگا۔

❁❁❁❁❁

۹- نفسِ مرجع، ص ۵۱